Fikr-o-Nasar (Islamabad) 17:5-6 (1979)

سلطان المشائخ محبوب الٰہی

حضرت نظام الدّین اولیاؒ دہلوی

سردار علی احمد خان

محمد آپ کا اسم شریف تھا اور القاب سلطان المشائخ۔ محبوب الٰہی، سلطان الاولیا، سلطان جی سلطان السلاطین، نظام الدین اولیا زری زر بخش تھے۔ حضرت نظام الدین اولیا، ابن خواجہ احمد ابن خواجہ علی بخاری بمقام شہر بدایوں (صوبہ اتر پردیش)، بروز آخری چہار شنبہ قبل از دوپہر بتاریخ ۲۷، ماہ صفر ۶۳۴ ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اجداد بخارا کے رہنے والے تھے اور گنجینۂ علم و عرفان تھے آپ کی ننہیال اور ددھیال سادات حسینی میں سے تھے اور آپ کے دادا خواجہ سید علی اور آپ کے نانا سید عرب ہم جد تھے آپ کے اجداد نے بخارا سے ہجرت کرنے کے بعد لاہور (پاکستان) میں قیام کیا تھا اور اس کے بعد بدایوں میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔

تعلیم و تربیت

حضرت نظام الدین پانچ برس کے تھے کہ والد کے سایہ سے محروم ہو گئے آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت آپ کی والدہ محترمہ نے کی جو اپنے وقت کی بڑی عبادت گذار خاتون تھیں ان کی کرامت بزرگی اور زہد کے کتنے ہی واقعات مشہور کتاب سیر الاولیا میں سید محمد مبارک المعروف امیر خورد نے درج کئے ہیں۔ حضرت نظام الدین سن بلوغ کو پہنچے تو کمال زہد و تقویٰ کے ساتھ علوم ظاہری حاصل کرنے میں مشغول ہوئے آپ کی ابتدائی تعلیم بدایوں میں ہوئی جہاں آپ نے مولانا علاؤ الدین اصولی سے قدوری ختم کی اور دستار فضیلت حاصل کی پچیس برس کی عمر میں مزید اور اعلیٰ تعلیم کے لئے اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ دہلی تشریف لے گئے جہاں پہلے تو آپ نے پرانا قلعہ کی عمارت کے قریب ایک شخص کی حویلی کے دروازہ میں اقامت اختیار کی اور بعد میں کسی دوسرے شخص کے خس پوش کوٹھے پر ڈیرا جمایا

دہلی میں آپ شمس الملک مولانا شمس الدین خوارزمی کے درس میں شریک ہوئے مولانا شمس خوارزمی کامل وقت تھے اور ان کے فضل وکمال کی وجہ سے سلطان بلبن ان کا بے حد قدر دان تھا حضرت نظام الدین نے مولانا شمس الدین سے حریری کے چالیس مقالات پڑھے کبھی درس میں ناغہ ہوجاتا اور نظام الدین اگلے روز استاد کی خدمت میں جاتے تو وہ انہیں دیکھ کر یہ شعر پڑھا کرتے۔

آخر کم از آنکہ گاہ گاہے
آئی و بما کنی نگاہے

سبحان اللہ! شاگرد عزیز کے کیا کہنے خواجہ نظام الدین نے مولانا کمال الدین زاہد سے مشارق الانوار پڑھی اور انہی سے حدیث شریف پڑھی۔ قرآن پاک حفظ کیا مولانا کمال الدین زاہد وہ بزرگ تھے جو جید عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے متقی اور متدین شخص تھے ان کی بزرگی کا شہرہ سُن کر سلطان غیاث الدین بلبن نے انہیں اپنا پیش امام بنانا چاہا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس سوائے نماز کے دوسری چیز نہیں اور اب بادشاہ یہ چاہتا ہے کہ یہ بھی مجھ سے جاتی رہے سلطان بلبن اس جواب کو سن کر خاموش ہوگیا سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ نظام الدین اولیا نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر اجودھنی سے عوارف المعارف اور تمہید ابوشکور سالمی پڑھی تھیں، دیگر کتب تصوف کے درس کے علاوہ آپ نے شیخ العالم بابا فرید الدین گنج شکر سے تجدید تفسیر قرآن بھی کی۔

صحبتِ شیخ

حضرت بابا فرید گنج شکر کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کہ علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے دہلی میں رہائش رکھتے تھے۔ ان کا مکان مسجد ہلال طشت دار کے قریب ہی تھا جہاں ایک حجرے میں بعد تکمیل تعلیم نظام الدین اولیا رہتے تھے۔ کبھی کبھی نظام الدین شیخ نجیب الدین متوکل کے ہاں حاضر ہوا کرتے تھے اور ان کی باتوں سے ان کے دل میں حضرت بابا فرید الدین سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا ایک روز شوق ارادت اور غائبانہ محبت نے اس قدر غلبہ کیا کہ نظام الدین اجودھن (موجودہ پاکپتن ضلع ساہیوال پاکستان) پہنچ گئے بابا صاحب کی خدمت عالی میں پیش ہوئے تو بابا فرید نے ان کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا۔

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

حضرت نظام الدین بھی اپنا شوق دیدار اور اشتیاقِ قدم بوسی ظاہر کرنا چاہتے تھے مگر بوجہ عظمت شیخ کچھ عرض نہ کر پائے اسی روز آپ بابا صاحب کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر مشرف بہ بیعت مرشد ہوئے۔

حضرت شیخ نظام الدین مورخہ ۱۵ رجب ۶۵۵ ھ سے ۲ ربیع الاول ۶۵۶ ھ تک حضرت بابا صاحب کی صحبت میں تعلیم و تربیت پاتے رہے اور راہِ سلوک پہ گامزن ہونے کے بعد ایک روز معروض ہوئے کہ تعلیمی اشغال کو ترک کر کے نوافل میں مصروف ہو جاؤں لیکن مرشد نے فرمایا کہ تعلیم و نوافل دونوں ضروری ہیں۔ درویش کے لئے علم نہایت ضروری ہے تاکہ شیطان کے دھوکے میں نہ آئے۔

سیر الاولیا میں تحریر ہے کہ حضرت نظام الدین بڑے ذہین و فطین طالب علم تھے اور ان کے ہم جماعت دوستوں کا خیال تھا کہ وہ تعلیم سے فارغ ہوتے ہی کسی بڑے سرکاری عہدہ پہ فائز ہوں گے۔ اس خیال کے برعکس حضرت نظام الدین نے حضرت بابا فرید صاحب سے بیعت ہو کر فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنا شروع کر دی۔ ایک دن آپ پاکپتن میں پھٹے پرانے کپڑے پہنے پھر رہے تھے کہ اتفاقاً راستہ میں ان کا ایک پرانا ہم مکتب مل گیا۔ آپ کی یہ حالت دیکھ کر حیران ہوا اور متاسف ہوا کہنے لگا کہ مولانا نظام الدین آپ کی یہ کیا حالت ہو گئی۔ اگر آپ شہر میں رہ کر لوگوں کو تعلیم ہی دیتے تو مجتہد زمانہ کہلاتے اور تمہاری (معاشی) حالت بہتر ہوتی نظام الدین یہ بات سن کر خاموش رہے اسے کچھ جواب نہ دیا۔ جب خانقاہ واپس لوٹے اور مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے کشف سے مرید کی ذہنی حالت کا پتہ لگا لیا۔ اور فرمایا کہ باورچی خانے چلے جاؤ اور ایک خوان لے لو اسے سر پر رکھ کر اپنے دوست کے پاس لے جا کر پیش کرو اور اس کے بعد اس کی بات کا یہ جواب دو۔

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیر و برد

ترا سعادت بادا ، مرا نگوں ساری

دنیاوی جاہ طلبی کی طرف ذرا سی رغبت بھی اگر نظام الدین کے دل میں پیدا ہو سکتی تھی۔ اس تدبیر سے ختم ہو گئی اور انہوں نے محسوس کر لیا۔ کہ ان کی اور ان کے دوست کی راہیں مختلف ہیں درویش جس دنیا میں رہتے ہیں اس کے طور طریقے جداگانہ ہیں ؎

مجھ بہ محل شاہی کہ در ولایت عشق
گدا بہ تخت نشانند و پادشاہ گیرند

حضرت بابا فریدالدین کی تعلیم و تربیت کا فیضان عظیم تھا۔ حضرت نظام الدین کا بیان فوائدالفواد میں ہے کہ باباصاحب کا بیان ایسا ہوتا کہ پھر ایسا بیان کسی اور سے نہ سنا گیا۔ اس بیان کے موقعہ پر ایسا ذوق طاری ہو جاتا کہ سننے والے کی تمنا یہ ہوتی کہ اس بیان کے موقعہ پر موت آجاتی تو خوب ہوتا باباصاحب کی خانقاہ میں درویشوں کے بڑی تنگی اور فقر و فاقہ سے شب و روز گزرتے تھے شیخ حسام الدین کابلی کے سپرد پانی بھر کر لانے اور برتن دھونے کی خدمت سپرد تھی مولانا بدرالدین اسحٰق جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے جو لنگر خانہ میں بطور ایندھن استعمال ہوتی تھیں شیخ جمال الدین قطب ہانسوی کریہ کی جھاڑیوں سے ڈیلے توڑ کر لایا کرتے اور حضرت نظام الدین اولیا ان ڈیلوں کو درویشوں کے طعام کے لئے پکایا کرتے تھے۔ مولانا بدرالدین اسحٰق اور قطب جمال الدین ہانسوی اور حضرت اولیا ایک ہی پیالے میں ساتھ کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت نظام الدین اولیا نے قرض اٹھا کر تھوڑا سا نمک خرید کر کے ڈیلوں میں ڈال دیا۔ تاکہ اس طعام کی کڑواہٹ کم ہو جائے باباصاحب نے لقمہ اٹھانے کے لئے پیالہ میں جو ہاتھ ڈالا تو انہیں گرانی سی محسوس ہوئی اور فرمانے لگے کہ اس کھانے سے اسراف کی بو آرہی ہے۔ حضرت نظام الدین نے قرض پر نمک لینے کا اعتراف کیا اور معافی کے خواستگار ہوئے۔ باباصاحب نے فرمایا کہ درویشوں کو فاقے سے موت آجائے تو اس سے بہتر ہے کہ لذت نفسانی کے لئے وہ مقروض ہوں۔ قرض اور توکل میں مشرق و مغرب جتنا فاصلہ ہے یہ کہہ کر پیالوں کو غریبوں میں تقسیم کر دینے کا ارشاد فرمایا اسی وقت مرید نظام الدین نے دل میں عہد کر لیا کہ زندگی بھر قرض نہ لیں گے۔ یہ قلبی کیفیت جب باباصاحب پر کشفاً ظاہر ہوئی تو آپ نے خوش ہو کر وہ کمل عطا کی جس پر آپ بیٹھے ہوئے تھے اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ آئندہ انشاءاللہ تمہیں کبھی قرض لینے کی حاجت ہی نہ رہے گی۔

ولائیت دہلی اور ہدایت خلق

حضرت بابا فرید شکر گنج نے حضرت نظام الدین کو بروز چہارشنبہ مطابق ۲۱ ربیع الاوّل ۶۶۲ھ خرقہ خلافت عنایت کیا اور حسب ارشاد مرشد آپ دہلی روانہ ہوئے۔ رخصت کرتے وقت حضرت باباصاحب نے دعا دی کہ تو ہرگز کسی کا محتاج نہ ہوگا اور خدا کرے کہ تو ایک ایسا درخت ہو جس کے سایہ میں ایک خلق کثیر آسائش و راحت سے رہے ساتھ ہی نصیحت آپ کو فرمائی کہ دشمنوں کو خوش رکھنا اور جس سے قرض لیا ہے اس کو ادا کر دینا۔

دہلی پہنچ کر آپ شیخ نجیب الدین متوکل سے ملے جو آپ کی سرگزشت سن کر بے حد مسرور ہوئے اور دہلی کی ولایت پر آپ کے فائز ہو جانے کی مبارکباد کہی۔

دہلی شہر کی گنجان آبادی میں جائے فراغت لائق عبادت نہ دیکھ کر حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے جنگل میں ڈیرہ لگا لیا۔ وہاں قیام کئے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ ہاتف نے ندا دی کہ آپ کی جگہ غیاث پور ہے وہاں پہنچ کر مخلوق الٰہی کی ہدایت میں مشغول ہوں۔ آپ وہاں منتقل ہوئے تو پہلے ہی دن ہزاروں لوگ مرید و معتقد ہوئے۔ اسی زمانہ میں سلطان معز الدین کیقباد نے غیاث پور کے نواح میں ایک محل بنوایا اور شہر آباد کیا، جس میں ایک جامع مسجد بھی بنوائی۔ بہت سے امرا اور شہزادے آپؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے لگے۔ ہجوم سے آپ کی طبیعت بہت گھبرائی اور چاہتے تھے کہ کسی دوسری جگہ چلے جائیں اسی خیال میں تھے کہ ایک خوبرو نوجوان بوقت ظہر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یوں معروض ہوا ؎

آں روز کہ شدی نمی دانستی
کانگشت نمائے عالمے خواہی شد
امروز کہ زلفت دل خلقے بربود
در گوشہ نشست نمی دارد سود

آپ کچھ کہنے کو تھے کہ وہ نوجوان پھر گویا ہوا کہ اوّل تو مشہور نہیں ہونا چاہئے اور اگر ہو جائے تو ایسا ہونا چاہئے کہ قیامت کے دن حضور نبی کریمؐ سے شرمندگی نہ ہو۔ اور وہاں کیا

حوصلہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی مخلوق سے جُدا ہو کر حق سے مشغول ہوں۔ حوصلہ یہ ہے کہ خلق میں رہ کر حق سے مشغول رہیں۔ یہ کلام سُن کر آپ آخر وقت تک غیاث پور میں ہی مقیم رہے۔

عطیۂ درویش

غیاث پور میں شروع کا زمانہ آپ کے لئے بہت تنگدستی میں گزرا اور ایسا بھی ہوتا رہا کہ آپ اور خانقاہ کے درویشوں کو مسلسل تین تین دن فاقے کرنا پڑے۔ لیکن محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء کے استغنا کا یہ عالم تھا کہ سلطان جلال الدین خلجی نے جاگیر پیش کرنے کی اجازت چاہی تو فرما دیا کہ مجھے اور میرے متعلقین یعنی درویشوں کو اس کی قطعی ضرورت نہیں کیونکہ میرا اور ان کا کارساز خدا تعالےٰ ہے۔

روایت ہے کہ ایک بوڑھی عورت آپ کے پڑوس میں رہتی تھی اور سوت کات کر اس کی اُجرت سے روزہ افطار کرتی تھی۔ ایک روز اسے معلوم ہوا کہ حضرت نظام الدین اور خانقاہ کے دیگر درویش فاقہ سے ہیں تو اس بڑھیا نے آدھ سیر جَو کا آٹا جو اس کے گھر میں موجود تھا لاکر حضرت کی نذر کیا۔ حضرت نظام الدین نے شیخ کمال الدین یعقوبؒ سے فرمایا کہ آٹا ہنڈیا میں پکا رکھو کہ کسی مسافر یا سائل کے کام آئے۔ ابھی ایک دو جوش آئے تھے کہ ایک گودڑی پوش فقیر نے صدا دی کہ نظام الدین کچھ کھانا رکھا ہے تو لا۔ آپ نے جواباً کہا کہ ٹھہرو ابھی پک رہا ہے۔ درویش نے کہا جیسا ہے لے آ۔ چنانچہ آپؒ نے اپنے دامن سے ہنڈیا اتار کر پیش کی تو فوراً اس درویش نے ہنڈیا میں ہاتھ ڈال کر گرم گرم کھانا شروع کیا۔ اسے گرمی نہ معلوم ہوئی۔ کھانا کھانے کے بعد مٹی کی ہنڈیا زمین پر ماری اور توڑ ڈالی اور کہا کہ نظام الدین نعمت باطنی تو نے بابا فرید سے پائی اور ظاہری فاقہ تیرا آج سے ہم نے توڑا۔ درویش یہ کہہ کر غائب ہوگیا اسی روز سے خدا کی قدرت سے فتوحات کثیرہ کا سلسلہ جاری ہوگیا اور ہزاروں لوگ آپ کے لنگر سے کھانا کھانے لگے۔ صاحب خیر المجالس نے لکھا ہے کہ آپ کے ہاں فتوحات کا ایسا سلسلہ جاری تھا کہ معلوم ہوتا تھا دریائے جمنا کا رخ آپ کی خانقاہ کی طرف کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوصف آپ

کا اپنا یہ حال رہا کہ مسلسل روزے رکھتے تھے اور سحری کے وقت اس لئے کھانا نہ کھاتے تھے کہ شہر میں کچھ لوگ بھوکے سو رہے ہوں گے۔

منبعِ فیض

خلقِ خدا کی دردمندی نے نظام الدین محبوبِ الٰہی کو اقلیم دل کا حکمران بنا دیا تھا۔ کوئی آدمی کسی معاملہ میں پریشان ہوتا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ کوئی بادشاہ کی بے التفاتی سے رنجیدہ خاطر ہوتا تو عرضِ حال کرتا۔ کوئی نادار یا مریض ہوتا تو آپ کے آستانہ کا رُخ کرتا۔ کسی کے دل میں کوئی اندیشہ یا وسوسہ ہوا تو بے اختیار اس کے قدم آپ کی خانقاہ کی طرف اُٹھنے لگتے۔ آپ ہر ایک کا درد و غم اور ماجرا سنتے، اس کے زخموں پر مرہم لگاتے اور پھر بارگاہ خداوندی میں ایک ایک دُکھ اور تکلیف اپنے اوپر طاری کرتے اور دعا فرماتے۔ حضرت محبوبِ الٰہی سلطان جی کی بارگاہ غریب و امیر عارف و عامی۔ شہری و دیہاتی بوڑھے اور بچے سب ہی کے لئے ہر وقت کھلی تھی، جو شخص جس وقت آپ سے ملنے کے لئے حاضر ہوتا اسے اسی وقت باریابی کی اجازت دی جاتی۔ مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں کہ سلطان الاولیا نظام الدین نے بیعتِ عام کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ آپ گنہگاروں کو خرقہ پہناتے اور ان سے توبہ کراتے اور خود اپنے ارادے سے قبول کرتے۔ ہر ایک تائب کو طاقیہ عنایت کرتے اور ایک مسواک دیتے تھے۔ آپ کے مرشد حضرت بابا فریدالدین گنج شکر نے آپ کو دعا دی تھی کہ تو ایسا درخت ہو جس کے سایہ میں خلق خدا آرام و راحت حاصل کرے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ تقریباً نصف صدی تک انسانی دلوں نے آپؒ کی خانقاہ میں ایسی راحت اور سکون حاصل کیا کہ جیسے کوئی تھکا ہارا مسافر چلچلاتی دھوپ سے خستہ جان ہو گیا ہو اور پھر معاً ٹھنڈے اور سایہ دار گھنے درخت کی چھاؤں میں بیٹھ کر فرحت اور اطمینان کا سانس لے۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا کے فیوض و برکات سے سارے برصغیر پاکستان و ہندوستان میں ایک ذہنی انقلاب پیدا ہو گیا۔ مسلمانوں کی اکثریت عبادت اور زہد

کی طرف مائل ہو گئی۔ عوام اور خواص کے دلوں نے نیکی اختیار کر لی تھی۔ مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سود خوری اور ذخیرہ اندوزی سے اجتناب کرنے لگے۔ جھوٹ بولنے کم تولنے اور آمیزش کرنے کا رواج اٹھ گیا۔ اس کی تفصیل تاریخ فیروز شاہی میں ضیاءالدین برنی نے لکھی ہے۔

رتبۂ عالی

حضرت نظام الدین تمام مقامات غوثی اور قطبی اور فردانیت سے گذر کر مرتبۂ محبوبی کو پہنچے اور آپ کے اقوال و احوال تمام مشائخوں کے لئے حجتِ قاطع ہیں۔ واضح رہے کہ اہل کمال جب سلوک میں ترقی کرتے ہیں تو مقام قلب مبارک حضور رسالت پناہؐ پر پہنچتے ہیں اس مقام سے ترقی کرتے حضور ختم مرتبتؐ کے حالاتِ سلوک میں قدم رکھتے ہیں اور ایسے سالکوں کو قلب حقیقی کا مرتبہ حاصل ہوتا۔ اس مقام سے ترقی کر کے مقام معشوقی حاصل کرتے ہیں۔ حضرت نظام الدین محمد سلطان الاتقیاؒ کو مقام معشوقی حاصل ہوا اور آپ محبوب الٰہی کے لقب سے یاد کئے جانے لگے۔

حضرت امیر خسرو نے اپنی تصانیف میں جگہ جگہ حضرت محبوب الٰہی کو خضر و مسیحا تشبیہ دی ہے۔ ایک شعر میں فرماتے ہیں ؎

وجودِ خواجہ خ ز آب و گل گشتہ مرتب
کہ جانِ خضر و مسیح بہم شد مرکب

علامہ محمد اقبالؒ لاہوری نے حضرت نظام الدین کو مسیحا و خضر سے بھی اونچا مقام دیا ہے ؎

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا۔
بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا
تری قبر کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

پروفیسر محمد حبیب نے حضرت محبوب الٰہی کو ہندوستان کا سب سے بڑا بزرگ

قرار دیا ہے۔ مولانا ضیاء الدین برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت نظام الدین کو پچھلی صدیوں میں حضرت جنید بغدادیؒ اور شیخ بایزید بسطامیؒ کے مثل پیدا کیا تھا۔ بقول صاحب "گلزار ابرار" حضرت محبوب الٰہی نے تبلیغ و ہدایت خلق کے لئے سات صد خلفاء تمام بڑے شہروں میں روانہ کئے کہ جن میں ہر فرد کے سینہ میں گویا عرفان کا سورج طلوع ہوا تھا۔

معمولات

سیر الاولیا سے نقل ہے کہ آپ نے جوانی میں ۳۰ سال تک بڑے سخت مجاہدے کئے۔ اس کے بعد کی زندگی اور زیادہ سخت مجاہدے میں گزاری۔ تمام عمر صائم الدہر رہے۔ چوبیس گھنٹوں میں چار پانچ صد رکعتیں نفل نماز بڑھاپے میں اسی سال کی عمر میں بھی کوٹھے سے اتر کر باجماعت نماز ادا کیا کرتے تھے۔

فجر، اشراق اور چاشت کی نمازوں کے بعد وعظ فرمایا کرتے۔ اس وقت عالموں اور صوفیوں کا اجتماع ہوتا اور آپ انہیں سلوک و معرفت کے حقائق بیان فرماتے۔ اس دوران میں شہر سے آنے والے غرباء اور مساکین کی آمد و رفت خانقاہ میں ہوتی رہتی تھی جنہیں غلہ اور روپے پیسے تقسیم کئے جاتے تھے۔ حضرت محبوب الٰہی ظہر کی نماز سے قبل کچھ دیر کے لئے سستایا کرتے تھے ظہر کی نماز باجماعت نماز کی ادائیگی کے بعد پھر مجلس ہوتی جس میں عموماً حدیث کشاف اور دوسری مشہور و معروف کتب حدیث و تصوف کا درس ہوتا تھا۔ سامعین ایسا محسوس کیا کرتے تھے کہ وہ الہامی باتیں سن رہے ہیں۔ عصر کی نماز کے بعد حضرت موصوف کوٹھے پر تشریف لے جاتے اور مغرب کی اذان کے ساتھ پھر نیچے اتر آتے اور روزہ افطار کرنے کے بعد نماز مغرب ادا کر کے پھر کوٹھے پر واپس چلے جاتے جہاں مغرب اور عشاء کے مابین بھی ایک مجلس ہوتی تھی حاضرین کی میوہ جات اور لذیذ مشروبات سے تواضع کی جاتی تھی عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے پھر محبوب الٰہی مسجد میں آتے اور نماز کی ادائیگی کے بعد

پھر اپنے کو ٹھے والے حجرہ میں چلے جاتے اس وقت صرف امیر خسرو آتے اور کچھ حکایتیں سناتے جن کو حضرت لطف و دلچسپی سے سنا کرتے اسی وقفہ میں کبھی کبھی بعض احباب اور رشتہ داروں کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی آداب بجا لانے کے لئے آجایا کرتے تھے جب امیر خسرو رخصت ہوتے تو حضرت نظام الدین کا خادم وضو کے لئے پانی لا کر چھوڑ جاتا اور حضرت خود حجرہ کی کنڈی اندر سے بند کر لیتے اور عبادت و ریاضت میں مصروف ہو جاتے پھر سحری کے وقت خادم آپ کے لئے سحری لاتا جسے تھوڑا سا کھاتے اور باقی طعام تقسیم کر دینے کی ہدایت فرماتے آپ کی غذا سادہ ہوتی افطاری میں آدھی یا کبھی ایک روٹی سبزی یا کریلے کے سالن سے کھا لیتے کبھی کبھی چاول بھی کھا لیتے تھے لباس آپ کا سادہ اور درویشانہ ہوتا تھا۔

سخاوت

حضرت نظام الدین اولیا کے لنگر خانہ سے کئی ہزار فقرار، غربا اور مساکین کھانا کھاتے تھے دن بھر جو اشیاء، از قسم غلہ، روپیہ، پیسہ، پارچات یا دیگر سامان خانقاہ میں آتا وہ تمام کا تمام شام تک تقسیم کر دیا جایا کرتا تھا تو خاطر مبارک کو اطمینان ہوتا ہر جمعہ کے روز تجرید فرماتے تمام حجروں اور گوداموں کو بالکل خالی کرا کے جھاڑو دلوا دیتے اور اس کے بعد جامع مسجد تشریف لے جا کر اطمینان سے نماز جمعہ ادا فرماتے کتاب روضۃ الاقطاب میں لکھا ہے کہ تین ہزار اہل علم، طلبہ اور مریدوں کو حضرت نظام الدین کے ہاں سے وظائف ملا کرتے تھے۔ اس دریا دلی اور مثالی سخاوت کے باوجود آپ اتنے مستغنی تھے کہ بادشاہ یا شاہزادوں میں سے کوئی تحفہ یا ہدیہ آپ کی خدمت میں گزارتا تو ایک سرد آہ بھر کر کہتے کہ یہ لوگ درویش کو غارت کرتے ہیں (سیر الاولیا) آپ نے گاؤں اراضیات باغ یا جاگیر کبھی قبول نہیں فرمائی جب کبھی ان کی پیش کش آپ کو کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ از خواجگان ما و مشائخان ما ہیچ کس ازیں قبول نہ کردہ است۔

بقول مصنف سیر الاولیا حضرت محبوب الٰہی کی اس شان استغنا پر ہی حضرت امیر خسرو نے یہ اشعار کہے تھے۔

در حجرہ فقر پادشاہی
در عالم دل جہاں پناہی
شاہنشہ بے سریر و بے تاج
شاہانش بہ خاکپائے محتاج

جوامع الکلم میں تحریر ہے کہ ہر عرس کے موقعہ پر آپ کے ہاں سے تمام شہر میں کھانا تقسیم کیا جاتا تھا اور نقد رقم بھی مساکین شہر میں بانٹی جاتی تھی

سلطان جی اور سلاطین ہند

حضرت نظام الدین اولیا کے تعلقات سلاطین دہلی سے کبھی خوشگوار نہیں رہے۔ شاید اس لئے بھی کہ فقر و استغنا فی حب اللہ کا دنیاوی جاہ و جلال سے نیاز مند اور فرد تر ہونا ممکن ہی نہ ہو سکتا تھا لیکن یہ بات ضرور ہے کہ حضرت سلطان جی مسلمانوں کی حکومت کے لئے دعاگو ہی رہے۔

ایک مرتبہ سلطان غیاث الدین تغلق نے شاہی حکم کے ذریعے سماع کی ممانعت کا اعلان جاری کیا لیکن خانقاہ نظام الدین میں محفل سماع بدستور سابق جاری رہی بادشاہ نے محضر طلب کیا اور مجلس مناظرہ میں سربرآوردہ علما اور مشائخ اکٹھے کئے گئے حضرت نظام الدین بھی اس میں شریک ہوئے آپ نے بڑی عالمانہ اور بصیرت افروز تقریر فرمائی اور نفس غنا کے جواب میں نبی کریمؐ کی احادیث پیش کیں تو بعض حنفی مولویوں نے اپنی کم مائگی اور کج علمی کے باعث یہ اعتراض کر دیا کہ تم تو مقلد ہو کسی حدیث کو بطور دلیل اور سند کیوں پیش کرتے ہو البتہ اگر فقہ حنفی کی کوئی روایت ہو تو وہ پیش کریں ان کی یہ بات سن کر حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ وہ مملکت جہاں مسلمان حکمران ہوں کب تک آباد رہے گی۔ جس میں لوگوں

کی رائے کو رحمۃ العالمینؐ کی مستند احادیث پر ترجیح دی جائے، مولانا علم الدین جو حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی کے نواسہ تھے۔ اور جن سے سلطان غیاث الدین تغلق کو بھی اعتقاد تھا نے حضرت محبوب الٰہی کے نقطۂ نظر کی تائید کی اور اس طرح یہ معاملہ رفع دفع ہوا۔

قطب الدین مبارک شاہ ۱۳۱۶ء میں تخت نشین ہوا۔ اس نے سلطان علاؤالدین خلجی کے بیٹے خضر خان کو جو سلطان جی کا مرید تھا شہید کر ڈالا اور حضرت کو بھی ستانے کا ارادہ کیا لیکن چونکہ تمام عمائدین امرار دربار اور اہل لشکر آپ کے مرید یا معتقد تھے۔ اس لئے اپنے ناپاک عزائم میں ناکام رہا۔

ایک روز بادشاہ نے اپنے مشیر قاضی محمد غزنوی (جو محبوب الٰہی سے عداوت رکھتے تھا) سے پوچھا کہ نظام الدین اولیار کے پاس اتنا مال و نذر کہاں سے آتا ہے کہ روزانہ ان کے لنگر کا خرچ دو ہزار اشرفیاں ہوتا ہے۔ قاضی نے جواب دیا کہ امرار اور لشکری پہنچاتے ہیں بادشاہ نے حکم دیا کہ جو شیخ نظام الدین کو کچھ دے گا اس کا وظیفہ خزانۂ سلطانی سے بند کر دیا جائے گا اور جو ان کی خدمت میں جائے گا تو اسے شہر بدر کر دیا جائے گا۔ اس امر کی خبر جب سلطان جی کو ہوئی تو آپ نے اپنے لنگر خانہ کے انچارج خواجہ اقبال کو ارشاد کیا کہ آج سے اخراجات دو گنا کر دیئے جائیں اور جو رقم درکار ہو وہ فلاں طاق میں سے بسم اللہ کہہ کر نکال لیا کرو بادشاہ کو جب یہ خفیہ رپورٹ ملی تو وہ بہت شرمندہ ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد بادشاہ نے ایک اور امیر کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور کہلایا کہ حضرت رکن عالم ملتان سے اتنی دور ہر سال بادشاہ کو دیکھنے دہلی آتے ہیں۔ لیکن آپ شہر دہلی میں رہتے ہوئے بھی نہیں آتے اور اس میں بادشاہ کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہے۔ آپ نے جواباً کہلا دیا کہ فقیر کی عادت نہیں کہ امرار کے مکان پر جائے، ہمیں اس بارے میں معذور سمجھا جائے اور معاف رکھا جائے اس پر سلطان ہند کو بہت غصہ آیا اور پھر کہلا بھیجا کہ میرے حکم کی تعمیل سلطان جی کو کرنا ہوگی۔ محبوب الٰہی نے بادشاہ کی پیر شیخ ضیاءالدین سنامی کے پاس پیام بھیجا کہ وہ اپنے مرید کو سمجھائیں کہ درویشوں کو رنج پہنچانا کسی مذہب میں روا نہیں مگر قضائے الٰہی سے۔ شیخ ضیاءالدین کا اچانک

انتقال ہوگیا۔ ان کی فاتحہ خوانی کی رسم میں بادشاہ اور اس کے جملہ امراء اور اکابر شریک ہوئے محبوب الٰہی نے بھی اس مجلس میں شرکت کی۔ کل حاضرین نے خواجہ نظام الدین اولیا کو تعظیم دی اور آداب پیش کئے۔ مگر سلطان قطب الدین ملتفت نہ ہوا۔ اور تلاوت قرآن شریف میں مشغول رہا۔ کنکھیوں سے حضرت کی تکریم و تعظیم ہوتی دیکھتا گیا اور آتش غضب میں اور جلا۔ بعض حاضرین نے نظام الدین اولیا سے عرض کیا کہ سلطان دہلی اس مجلس میں ہے سلام علیک کہہ دیجئے فرمایا کہ کچھ حاجت نہیں کیونکہ وہ تلاوت کر رہا ہے اور مخل ہونا خلاف شرع اسلامی ہوگا اس واقعہ کے بعد بادشاہ نے کل علماء اور مشائخ کو جمع کر کے کہا کہ شیخ نظام الدین کو سمجھاؤ کہ ہر روز میرے دیدار کے لئے آیا کریں۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو ہر نئے چاند ماہ کی مبارکباد کے لئے ضرور آیا کریں۔ مشائخ نے یہ بات آپ کے گوش گزار کی اور کہا کہ بادشاہ کا ارادہ فاسد معلوم ہوتا ہے۔ آپ اس کی ضد پوری کر دیں اور دربار میں تشریف لاکر ایک فتنہ کو روک دیں۔ حضرت نظام الدین نے یہ کہہ کر ان کو رخصت کر دیا کہ "ببینم چہ بظہور می رسد" چنانچہ جس دن سلطان قطب الدین اپنے دربار میں سلطان جی کی آمد کا منتظر تھا۔ اسی روز محل شاہی میں شورش برپا ہوئی اور قطب الدین اپنے ایک منصبدار خسرو خاں کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔

سلطان علاؤالدین خلجی نے بھی حضرت کی حاضری کے لئے جتن کیا تھا لیکن آپ نے کہلا بھیجا کہ فقیروں کو بادشاہوں سے کیا کام کہ ان کے مشیر یا حاضر باش بن جائیں میں شہر کے ایک کونے میں پڑا ہوں اور بادشاہ اور عام مسلمانوں کے لئے دعائے خیر میں مشغول ہوں اگر بادشاہ نے میری حاضری پر اصرار کیا تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ شہزادہ خضر خاں نے جو آپ کا مرید بھی تھا یہ بات بادشاہ کو پہنچائی بادشاہ نے پھر کہلایا کہ وہ خود حضرت کی ملاقات کے لئے خانقاہ میں حاضر ہونا چاہتا ہے لیکن سلطان جی نے جواب دیا اگر بادشاہ ایک دروازے سے داخل ہوگا۔ تو میں دوسرے دروازے سے نکل جاؤں گا۔

سلطان علاؤالدین خلجی نے اپنے ایک امیر قتلغ بیگ کو یہ ہدایت کی ہوئی تھی کہ

محفل سماع میں جس کلام پر سلطان جی کو وجد آئے وہ لکھ کر اسے پیش کیا کرے صاحب مرآۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ ایسے اشعار جن پہ ایک مرتبہ محفل سماع میں سلطان جی کو وجد آیا حسب معمول قنبر بیگ نے لکھ کر سلطان قطب الدین کو پیش کئے بادشاہ بار بار ان اشعار کو پڑھتا اور تعریف کرتا تھا وہ دو اشعار آپ بھی سنئے اور سر دُھنیئے

پیش منا جمال جاں افروز
در نمودی بود سپند بسوز
آں جمال زچیست ہستیٔ تو
واں سپند ترچیست مستیٔ تو

تجرد پسندی

حضرت محبوب الٰہی نے عمر بھر شادی نہیں کی اور مجرد رہے ہوا یوں کہ ایک مرتبہ نظام الدین کا پاجامہ پھٹا ہوا دیکھ کر بابا فرید الدین گنج شکر نے انہیں ایک اپنا اپنا پاجامہ عنایت کیا نظام الدین اولیا نے فخر سمجھ کر اس پاجامہ کو اپنے پاجامے کے اوپر پہن لیا لیکن جلدی میں اس کا ازار بند ایک طرف نکل گیا بابا صاحب نے فرمایا کہ ازار بند محکم گیر، حضرت نظام الدین نے عرض کیا کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔ اس وجہ سے تمام عمر تجرد رہا۔

وصال

محبوب الٰہی نے اپنی وفات سے کچھ دنوں پہلے خواب میں دیکھا کہ حضور نبی اکرمؐ فرما رہے ہیں کہ نظام تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے۔ اس خواب کے بعد آپ کو سفر آخرت کے لئے بے چینی لگ گئی وفات سے چالیس یوم قبل کھانا پینا ترک ہو گیا اور آنکھیں اشکباری کرتی تھیں مورخہ ۱۸ ربیع الاوّل ۷۲۵ھ بروز چہار شنبہ کو آپ نے آخری بار نماز فجر ادا کی خادم خاص اقبال کو حکم دیا کہ لنگر خانہ اور دیگر

ملکیتی اشیاء غرباء و مساکین میں تقسیم کر دی جائیں اور توشہ خانہ میں جھاڑو پھیر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ تبرکات خواجگان چشت اپنے خلفاء کو عنایت کئے۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت شیخ رکن عالم ملتانی نے پڑھائی۔ مزار شریف دہلی میں مرجع خلائق ہے۔

بہر زمیں کہ نسیمے ز زلف او زدہ است
ہنوز ازاں سر خوشبوئے عشق می آید

حضرت محبوبِ الٰہی کے جنازہ کے ساتھ قوال بھی تھے جو شیخ سعدی شیرازی کی یہ غزل گاتے جاتے تھے۔

سرو سیمینا بہ صحرا می روی
نیک و بد عہدی کہ بے ما می روی
کس بدیں شوخی و علامت برفت
چوں چنیں مالعزا می روی
اے تماشا گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا می روی

آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو صحرا میں دفن کیا گیا تھا لیکن آپ کی مناہی کے باوجود کچھ عرصہ بعد روضہ کی تعمیر سلطان محمد بن تغلق نے کرا دی تھی۔